فاروق عادل

معدومیت کے خطرے سے دوچار کشمیری تہذیب

Jammu & Kashmir is a rich cultural region of the Subcontinent. Kashmir stands out among the other civilizations in the Subcontinent. There are many historians, including Alberuni who mention the rich culture, art and craft, literature tradition, values and lifestyle of this region. An imperial power has occupied this ancient valley and is continually targeting its people brutally. Under these circumstances the traditional arts and craft, literary and cultural traditions and lifestyle of common people in severe danger. In Kashmiri culture, Kashmiri art, literature, Music and other types of fine arts used to have its beautiful emotions of love and peace which are being vanished now. These emotions are now changed into melancholy and anxiety. It is fact that we come across the political situation state terrorism in Kashmir, but we do not get aware of the factors which are mandatory of development of human civilizations. In this research article after presenting glimpses of Kashmir valley civilization with authentic references, review of the current situation is taken. It is tried to explain that how the people of a region are compelled to change their lifestyle due to the cruel tactics of an imperial power. For this research article, history books and various news papers and websites are consulted. Interviews are taken with literary persons, intellectuals and people related to fine arts.

مؤرخین کشمیری تہذیب کو تین ادوار میں تقسیم کرتے ہیں:

۱۔ موسیقیت

۲۔ رومانویت۔۔۔۔۔۔اور

۳۔ حقیقت پسندی[۱]۔

لیکن یہ باتیں پرانی ہوئیں، یہ متنوع تہذیب موجودہ عہد میں بھی ایک دور سے گزر رہی ہے لیکن اس دور کا کوئی مؤرخ اِس عہد کا عنوان تجویز کرنے پر آمادہ نہیں۔ کشمیری فضائیں اپنی دل آویز اور مدھُر تانوں کے لیے بھی چاردانگِ عالم میں معروف ہیں لیکن کشمیر کا عہدِ موسیقیت صرف موسیقی کے لیے معروف نہیں ہے کیوں کہ اس عہد کے لوگوں کا ذوقِ جمال اُن کی صنعت ِحرفت میں بھی جھلکتا ہے[۲] کیوں کہ کشمیری قالین، شال اور دیگر مصنوعات کے شوخ ورنگوں اور دلوں میں

مسرت بھر دینے مصورانہ خطوط دیکھنے والے کے دل ونگاہ میں وہ ہی سرخوشی اور مسرت پیدا کرتے ہیں جو کوئی پھڑکتا ہوا شعر یا سریلا گیت سن کر کسی صاحب ذوق میں پیدا ہوتی ہے۔عہدِ رومان کو توازن (Symmetry) اور ہم آہنگی (Harmony) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ایک لاپروا اور الہڑ جذبہ چاہے وہ کسی دہقان زادی کا بے اختیار گیت ہی کیوں نہ ہو اپنی تمام تر زور آوری اور سمندر کی لہروں کی طرح ٹھاٹھیں مارنے کے بعد بالآخر توازن اور ہم آہنگی کے جذبے میں ہی ڈھلتا ہے، تب کہیں جا کر عشق بلاخیز دائمی شکل اختیار کرتا ہے۔ارضِ کشمیر کے لافانی مناظر، اُن کا حیران کردینے والا طرزِ تعمیر، کاشی کاری اور کندہ کاری کشمیری تہذیب کے دوسرے عہد کی نمائندگی کرتی ہیں۔سری نگر کا کاٹھی[۳] دروازہ اِس عہد زریں کی ایسی نمائندگی کرتا ہے جس پر اہلِ ذوق رشک کریں۔

مغلیہ عہد کے آتے آتے کشمیر کا تہذیبی سفر جذبات اور توازن کے مرحلوں سے گزر کر پختگی کی منازل طے کر چکا تھا، لہٰذا اس عہد کو حقیقت پسندی (Realism) سے تعبیر کیا جاتا ہے جس میں وہ صدیوں کے ٹھنڈے میٹھے سفر اور سرد وگرم تجربات کے بعد یہ سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا کہ منہ زور جذبے اور توازن کے درمیان ایک نقطۂ اتصال بھی پیدا کیا جاسکتا ہے۔اس عہد کے بارے میں نہایت اعتماد سے کہا جاسکتا ہے کہ جس زمانے میں ارضِ ہند کے دیگر علاقے ہند اسلامی تہذیب کی چکاچوند سے متاثر ہو کر ایک نئے ثقافتی عہد کی داغ بیل ڈالنے کا سوچ رہے تھے، اہلِ کشمیر یہ منزل کبھی کی سر کر چکے تھے۔

کئی صدیوں اور قرنوں کے سفر اور مختلف عقائد وخیالات رکھنے والے لوگوں کی آمد کے بعد اس خطے کی تہذیب نے ایک خاص آہنگ اختیار کیا جو مقامی ماحول یعنی کشمیر کے دل آویز نظاروں اور اِس بہشتِ بریں کی گود میں پرورش پانے والے لوگوں کے مزاج کے عین مطابق تھا۔

کشمیر اس تہذیبی معراج پر کیسے پہنچا؟ معروف کشمیری مؤرخ جی ایم ڈی صوفی اس کا سراغ تاریخ اسلام سے لگاتے ہیں۔وہ بتاتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے قریباً ۸۰/ برس کے بعد اسلام کا پیغام شام، مصر، شمالی افریقہ، ایران اور اسپین سے ہوتا ہوا جنوبی ترکستان تک جا پہنچا تھا۔مسلمانوں کے ان قافلوں میں تاجروں اور فوجیوں کے علاوہ علما، مؤرخین، سائنس دان، ستارہ شناس، فنونِ لطیفہ کے ماہرین اور اہلِ حرفہ بھی ہوا کرتے تھے[۴]۔ان ہی قافلوں اور پاکیزہ مسافروں کی نقل وحرکت کا فیض ہوگا کہ ۱۴ ویں صدی عیسوی کے اوائل میں ماوراالنہر کے ایک صاحبِ علم ملا احمد وسط ایک ہزار افراد پر مشتمل قافلے کے ہمراہ کشمیر میں وارد ہوئے[۵]۔یہ واقعہ اہلِ کشمیر کے دلوں پر راج کرنے والے امیر کبیر سید علی ہمدانی کے کشمیر میں آنے سے کم وبیش ۵۰/ برس پہلے کا ہے۔

سید بلال شاہ عرف سید بلبل شاہ اسی زمانے کے باعمل صوفی بزرگ تھے جو پند ونصیحت سے زیادہ اپنے عمل سے مثال پیش کرنے پر کے عادی تھے۔انھوں نے اہلِ کشمیر کے درمیان معاشرت اختیار کی اور اپنی دل آویز شخصیت سے ان کا دل

موہ لیا۔ انھوں نے ذات پات کے غیر انسانی نظام میں جکڑے ہوئے نظام میں مساوات، برابری، محبت اور برداشت جیسی اعلیٰ اقدار کو فروغ دے کر اس خطے میں خاک نشینوں کے مشرب یعنی تصوف کا چلن عام کیا[۶]۔ ان کے بعد امیر کبیر سید علی ہمدانی تشریف لائے تو اسلام کی تعلیمات کو مزید فروغ ملا اور یہ خطہ اپنے خمیر کے مطابق رواداری، محبت اور صلح جوئی کے رنگ میں رنگ گیا۔ یہاں کے لوگوں کے مزاج میں ایک خاص قسم کا بانکپن اور تہذیبی رچاؤ پہلے سے ہی موجود تھا، چناں چہ اس سرزمین کے شاعر نے جب اپنے فطری جذبات کے اظہار کے لیے شاعری کا سہارا لیا تو اس پر خاک نشین صوفیوں کی گدڑی کا رنگ نہایت گہرا تھا۔

کشمیری زبان و ادب کی تاریخ کم از کم چھ سو برس پرانی ہے۔ یہ کم و بیش اسی زمانے کی بات ہے جب برطانیہ میں چاسر نے اپنے فنی سفر کا آغاز کیا[۷]۔ یہ کشمیری ادب اور اس کا لوک ورثہ ہی تھا جس کی عظمت کا اعتراف معروف مستشرق ہنٹن نولز نے اِن الفاظ میں کیا:

''دنیا کی کسی زبان میں اس اعلیٰ پائے کا لوک ادب نہیں پایا جاتا جس قدر یہ کشمیری زبان میں پایا جاتا ہے''[۸]۔

محققین کے مطابق کشمیر میں باقاعدہ شاعری کی ابتدا للا عارفہ کی شاعری سے ہوتی ہے، اِن کی ایک واکھ یعنی شعری اظہار اُن کی فکر کی نمائندگی کرتا ہے:

ترک کر یہ ماسوا
ترک کر حرص و ہوا
نور ہی میں ڈوب جا
دیکھ اس کے نور کو
وہ بہت ہے، بے بہا
وہ بہت نایاب ہے
ڈھونڈتا ہے دور کیا
ہے وہ تیرے ہی قریب
وہ خلا ہے یا مَلا
کچھ نہیں اس کے سوا

للا عارفہ کے عہد میں شوازم اور تانترک فلسفے کا دمِ واپسیں پر تھا کیوں کہ وسط ایشیا سے تشریف لانے والے صوفی بزرگ اس وقت تک اپنے عمل کی روشنی سے اسلام کی لافانی تعلیمات اس خطے میں متعارف کرچکے تھے اور ازل کے راستی

پسند اہلِ کشمیر نہایت تیزی کے ساتھ اس کے حلقہ بگوش ہو رہے تھے۔اسی عہد میں شیخ العالم شیخ نورالدین سامنے آتے ہیں جنھیں اس خطے میں اسلامی تصوف کی سب سے بڑی اور مؤثر آواز تصور کیا جاتا ہے۔شیخ العالم للا عارفہ کے جونیئر ہم عصر ہونے کے باوجود اپنی علیحدہ پہچان رکھتے ہیں۔یہ واکھ اُن کی فکر کی نمائندگی کرتی ہے۔

میرا جیون، میری جوانی، جیسے پھول انار کا ہو
میری جوانی کب چاہے گی، ایندھن اس انکار کا ہو
میرے دست و بازو اپنے کیے کا جب پھل پائیں گے
کیا اس وقت کروں،کیا حاصل میری چیخ و پکار کا ہے؟

کشمیر کی اس منفرد شعری روایت کی اگلی کڑی حبہ خاتون ہیں،اِن کا زمانہ کشمیری بادشاہ یوسف چک اور ہندوستان کے بادشاہ اکبراعظم کا ہے۔ایک غریب دہقان زادی ہونے کے باوجود حبہ خاتون مختلف حادثات اور اتفاقات کا شکار ہوکر پہلے ملکۂ کشمیر اور بعدازاں ملکۂ ہندوستان کے مناسبِ عالیہ تک جا پہنچی لیکن اس کے باوجود اس کے ذاتی دکھوں میں کمی واقع نہ ہوسکی جن کے نتیجے میں کشمیری گیت کی صنف وجود میں آئی۔ان کے گیتوں میں کشمیر کے حسین نظاروں، شجر و حجر اور آبشاروں کے بیان میں نسوانی محسوسات اور ایسے ایسے فن کارانہ انداز میں سمو دیے گئے ہیں کہ پڑھنے اور سننے والا حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔انھیں بلاوجہ رومان اور غنایت کی ملکہ نہیں قرار دیا جاتا۔

دور تک پھیلے ہوئے ہیں
لدے ہوئے پھولوں کے سبزہ زار
تو سنی بھی میرے دل کی پکار؟
ڈوب گئیں پھولوں میں یکسر
میرے دیس کی جھیلیں اور کہسار
آؤ لُوٹیں جلوۂ حسنِ بہار
جنگل جنگل چھایا ہوا ہے
بیدِ مشک کی خوشبو کا خمار
تو نے سنی بھی میرے دل کی پکار؟[۹]

ایسٹ انڈیا کمپنی کی چیرہ دستیوں اور بعدازاں ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی نے برصغیر میں بیداری کی ایک نئی لہر پیدا ہوئی جس کے بڑے گہرے اثرات اس خطے میں بھی محسوس کیے گئے، یوں خطۂ کشمیر میں بھی آزادی کی تمنا انگڑائی لے کر

جوان ہوئی۔ یہی زمانہ غلام احمد مہجور کی فکری تگ وتاز کا ہے جنھوں نے غالبِ نام آور کی طرح ہڈ بیتی کی تنگنائے سے قدم نکال کر جگ بیتی کو شعر کا حصہ بنایا۔

چمن والے چمن میں اب نئی اک شان پیدا کر

کھلیں گل، ہوں فدا بلبل، تو وہ سامان پیدا کر

اہلِ کشمیر کے شعر وسخن کا یہ مطالعہ واضح کرتا ہے کہ اس خطے کا ادبی مزاج برصغیر کے مرکزی ادبی مزاج ہی کی توسیع ہے لیکن یہ اپنی ایک علیحدہ شناخت بھی رکھتا ہے جس کے بانکپن کی کچھ مثالیں یہاں پیش کی گئی ہیں۔ مسلم برصغیر کا یہ حصہ بدقسمتی سے برصغیر کے دیگر حصوں کی طرح آزادی کی منزل نہ پا سکا جس کے نتیجے میں یہاں کے لوگوں میں عمومی طور پر یاس کی کیفیات پیدا ہوئیں۔ ۱۹۸۹ء میں شروع ہونے والی آزادی کی نئی لہر اور گزشتہ چند برس کے دوران میں اس کی نوعیت کی تبدیلی اور اس جذبے کو دبانے کے لیے قابض غیر ملکی قوت یعنی بھارت کی طرف سے اختیار کیے جانے والے ظالمانہ ہتھ کنڈوں کے نتیجے میں جو تباہی پھیلی، عمومی زندگی پر اس کے نہایت برے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ یہ ان اثراتِ بد ہی کا نتیجہ ہے کہ جموں وکشمیر کے حساس لوگ ہی نہیں بلکہ عام آدمی بھی حزن وملال کی گہری کیفیت میں مبتلا دکھائی دیتا ہے۔ کشمیر کا شاعر ایسی ہی کیفیات سے دوچار ہے لیکن اِس دکھ کے ساتھ ظلم کے خلاف لڑنے کا جذبہ بھی فراواں ہوا ہے جس کے نتیجے میں مزاحمتی شاعری پیدا ہوئی لیکن یہ مزاحمتی شاعری ماضی کی تہذیبی روایت کے برعکس کشمیر کے روایتی مزاج اور آبشاروں و کہساروں کے حسن سے بے گانہ نظر آتی ہے۔ یہ کیفیات تہذیبی اعتبار سے اس خطرے کی نشان دہی کرتی ہیں کہ کہیں یہ رویہ کشمیر کے اس روایتی رنگ ہی کو گوشۂ گم نامی میں نہ دھکیل دے جو کبھی اس کا طرۂ امتیاز ہوا کرتا تھا۔ اس عہد کے ایک شاعر نعیم صدیقی (اس شاعر کا تعلق مقبوضہ کشمیر کے علاقے بارہ مولا سے ہے اور ان کا اصل نام غلام محمد پرے تھا۔ یہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر معروف کتاب محسن انسانیت کے مصنف نہیں) کی چند چیزیں دیکھیے۔

راس نہ آئے غم کا موسم

خون کی وادی کس کو پکارے؟

خون رلائے غم کا موسم

مجھ پر مظالم ڈھانے والو!

کچھ نہ چھپائے غم کا موسم

ایک اور نظم میں کہتے ہیں۔

گلی گلی میں خون ہے، چمن چمن میں خون ہے

نہار ہے ہیں خشک وتر، لہو گرا شہید کا
زمین کی پیاس بجھی تو بجھ گئی ہے خون سے
ملا ہے پھر یہ سیم وزر، لہو گرا شہید کا[۱۰]۔

خواتین کشمیر کی تہذیبی وادبی روایت کا ایک ناگزیر جز و رہی ہیں، موجودہ عہد میں صنفِ مخالف کی طرح اِن کا ذوقِ جمال بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ نسرین نقاش کی ایک نظم دیکھئے۔

فنا کے تیر ہوا کے پروں میں رکھے ہیں
کہ ہم گھروں کی جگہ مقبروں میں رکھے ہیں
ہمارے پاؤں سے لپٹا ہے خواہشوں کا سفر
ہمارے سر ہیں کہ بس خنجروں میں رکھے ہیں
ہمارے عہد کا انجام دیکھئے کیا ہو
ہم آئینے ہیں مگر پتھروں میں رکھے ہیں
اے زندگی نہ گزرنا ہماری گلیوں سے
ابھی ہمارے جنازے گھروں میں رکھے ہیں
ہمارے سر پہ حقائق کی دھوپ ہے نسرین
حسین خواب تو بس چادروں میں رکھے ہیں[۱۱]۔

دکھ اور خود رحمی کی اِن کیفیات نے بڑوں کے ذہن ہی کو اپنی گرفت میں نہیں لیا بلکہ بچے بھی اس تکلیف دہ صورت حال سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ انتہائی نو عمر یعنی بارہ چودہ برس کے بچوں کا قلم وقرطاس کی وادی میں قدم جمانا کوئی نئی بات نہیں لیکن اگر ان بچوں کے تخیل پر بھی لہو کی ہولنا کی مسلط ہو جائے تو صورتِ حال کو سمجھنا مشکل نہیں ہونا چاہئے۔ بی بی سی پر مقبوضہ کشمیر کی چودہ برس کی ایک مصنفہ ربابیۃ کا انٹرویو شائع ہوا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ اِن دنوں جس ناول پر کام کر رہی ہیں، اُس کا عنوان ہے ''*Blood rain*''[۱۲]۔

بی بی سی کے ایک جائزے کے مطابق انسانی حقوق کی انجمنوں کا خیال ہے کہ بھارت کی سیکیورٹی فورسز کی طرف سے مجاہدین کے خلاف کارروائیوں کے دوران عوامی املاک کو تباہ کرنے کا مقصد آبادی کو اجتماعی سزا دینا ہے[۱۳]۔ اس طرح کی ظالمانہ کارروائیوں کے نتیجے میں لوگوں کے صرف مال واسباب ہی راکھ کا ڈھیر نہیں بن جاتے بلکہ صاحبانِ قلم وقرطاس کی عمر بھر کی کمائی بھی لٹ جاتی ہے۔ ایسا ہی ایک دل دوز واقعہ پلوامہ کے گاؤں بالہامہ کے کسان اور قادر الکلام شاعر

مدہوش بالہامی کے ساتھ پیش آیا جن کا گھر بارہ گھنٹے تک قابض فوج کی چیرہ دستی کا مرکز بنا رہا۔ اس کارروائی میں اُن کا بسا بسایا گھر ہی راکھ کا ڈھیر نہیں بن گیا بلکہ اُن کی عمر بھر کی کمائی یعنی اُن کا مجموعہ کلام بھی آگ کے شعلوں نے نگل لیا۔ اس دکھ میں اُن پر یاس کی کیفیت طاری ہوئی اور وہ ایسا شعر کہنے پر مجبور ہوئے ؎

ایسی بات نہیں ہے کہ قد اپنے گھٹ گئے
چادر کو اپنی دیکھ کر ہم ہی سمٹ گئے

ایک طرف زمین کا سینہ چیر کر رزق پیدا کرنے والے یہ سخت گیر کسان بے بسی اور مایوسی کی ایسی کیفیات کا شکار ہے مگر دوسری طرف اُس کے من میں امید کا کوئی جگنو بھی جگمگا رہا ہے ؎

کب تک تجھے روندے گا سامراج بے ضمیر
اک دن سنور ہی جائے گی بگڑی ہوئی تقدیر
اے وادی کشمیر[۱۴]

امید کا یہی جگنو آزادی کی اس لافانی تحریک کی سب سے بڑی طاقت ہے۔

علم وادب کی صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد ضروری محسوس ہوتا ہے کہ فنونِ لطیفہ کے دیگر شعبوں پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔

برطانیہ کا وکٹوریہ البرٹ میوزیم اپنے حیران کن عجائبات کے لیے معروف ہے۔ یہاں بہت سے نوادر محفوظ ہیں جن میں گوشہ کشمیر نمایاں ترین ہیں۔ یہاں مصوری کے جو نمونے محفوظ ہیں، وہ اس صنف لطیف کے ایک منفرد اسلوب کے نمائندہ ہیں۔ یہ ۱۶رصدی عیسوی کے وسط کی بات ہوگی جب کشمیر میں مصوری کے ایک نئے مکتبۂ فکر کی بنیاد پڑی۔ اس عہد کے مصور؛ مصور سے کچھ بڑھ کر ہی تھے، یوں کہہ لیجئے کہ جادوگر رہے ہوں گے۔ انہوں نے سوت کے کپڑے پر مصوری کے تجربات کیے۔ کہنے کو یہ مصوری تھی مگر مؤرخ کی آنکھ سے دیکھئے تو تاریخ تھی، ادیب کی آنکھ سے دیکھئے تو ادب۔ یہ مصور اپنے موقلم سے رنگوں سے ایسی جوت جگاتے کہ بہار کیا جگاتی ہوگی۔

ان مصوروں نے کشمیری لوک کہانیاں مصور کیں، جنگوں کے مناظر کی منظر کشی کی، باغات اور محلات نِک سُک سے ایسے درست بنائے کہ نقل پر اصل کا گمان گزرے[۱۵]۔ اس میوزیم میں محفوظ کشمیری مصوروں کی یہ جادوگری آج بھی نگاہوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔ مصوری کی ایسی زندہ جاوید روایت رکھنے والا یہ خطہ جب سے آزمائش سے دو چار ہوا ہے، اس کی مصوری کا رنگ ڈھنگ ہی بدل گیا ہے جس کی ایک تصویر بی بی سی کے سوتک بسواس نے اپنی رپورٹ ''اپنے دوستوں کو اب کبھی نہیں دیکھ سکوں گا'' کے عنوان سے دکھانے کی کوشش کی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ بچپن تو معصوم ہوتا ہے، بھولا اور دنیوی

برائیوں سے پاک مگر کشمیر کے بچوں کی دنیا الگ سی لگتی ہے۔ان کی دنیا سے بھولپن لاپتا ہوگیا۔ان کی معصوم مسکراہٹ کہیں گم ہوتی جارہی ہے۔ان بچوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی دنیا کی جو تصاویر بنائی ہیں،ان میں تشدد،سڑکوں پر بکھرے پتھر اور جلتے ہوئے گھر دکھائی دیتے ہیں۔یوں لگتا ہے جیسے کشمیر کا درد ان معصوموں کی فن کاری سے جھلک رہا ہو۔کشمیری بچوں نے اپنے ہاتھوں سے کشمیریوں کے دلوں میں بیٹھی موجودہ حالات کی دہشت کو بیان کیا ہے۔مستقبل کے بارے میں جو ڈر ان کے ذہن میں ہے،اسے بھی بچوں نے اپنی تصویروں میں اتار دیا ہے۔یہ بچے اس قدر حساس کیوں ہوگئے؟ مصنف بتاتے ہیں کہ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ کشمیر میں تشدد کی جو لہر جاری ہے،بچے بھی اس سے محفوظ نہیں رہ سکے،ان کی بہت بڑی تعداد بھی اس ریاستی تشدد کے نتیجے میں موت کی آغوش میں اتر چکی ہے[۱۶]۔

مسعود حسین مقبوضہ کشمیر کے ایک نامور مصور ہیں،وہ کہتے ہیں کہ کشمیر کا حسن،اس کے دل فریب نظارے اور دل موہ لینے والے رنگ ہی ہماری مصوری ہوا کرتے تھے مگر اب دل ڈوب چکا ہے۔اس دکھی سرزمین پر ۱۹۸۹ء سے جو کچھ رونما ہوا ہے مصور کی حیثیت سے اسے دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔یوں سمجھ لیجیے کہ کشمیر کا مصور ڈپریشن میں ہے۔خود میں نے بھی شوخ و شنگ رنگوں کا استعمال چھوڑ کر گہرے (*Dark*) رنگوں کا استعمال شروع کر دیا ہے۔کیوں کہ اب میں وہی دکھا تا ہوں اور دکھا سکتا ہوں جو اِس سرزمین پر ہو رہا ہے۔میری نسل کے لوگ بھی اسی راہ پر گامزن ہیں[۱۷]۔

دکھ،مایوسی اور آزردگی کی اس کیفیت میں کشمیر یونیورسٹی کے طلبہ نے ایک نئی راہ نکالی ہے۔انہوں نے کشمیری تہذیب کی سب سے نمایاں علامت چنار کے درختوں کو اپنے فن کارانہ اظہار کے لیے منتخب کیا ہے جن پر وہ کشمیر کی مصورانہ روایت سے ہٹ کر اُس کرب کی علامات کو تصویری شکل دیتے ہیں جن کا تجربہ آج کا کشمیر کر رہا ہے،گویا مصوری کے اس نئے تجربے پر بھی احتجاج کا رنگ غالب ہے[۱۸]۔

جس قریئے کے باسی پرندوں کی چہکار سن کر بیدار ہوا کرتے ہوں اور ندی نالوں کی جل ترنگ میں جن کے دن اور رات گزریں،موسیقی کے ساتھ ان کی دلچسپی غیر فطری نہ ہوگی۔کے ایل کلا دعویٰ کرتے ہیں کہ اس کرۂ ارض پر یہی وہ پہلی سرزمین ہے،جہاں دنیا کا پہلا اوپرا تخلیق ہوا اور اس کی موسیقی پہلی بار ایک مربوط نظام کے تحت ترتیب دی گئی۔کشمیر میں ساز اور آواز کی دنیا کی یہ روایت ہمیشہ توانا رہی جسے ہند اسلامی تہذیب اور اس میں مختلف عہد کے فرماں رواؤں نے فراخ دلی سے پروان چڑھایا۔فنونِ لطیفہ کے ان مختلف مظاہر پر وسط ایشیائی اور ایرانی موسیقی کے اثرات اگرچہ ہمیشہ گہرے رہے لیکن اس کے باوجود کشمیری موسیقی کا منفرد آہنگ ہمیشہ برقرار رہا،لہٰذا اس خطے نے اپنے راگ اور راگنیاں ہی تخلیق نہیں کیں بلکہ یہاں کے لوگوں نے اپنے آلاتِ موسیقی بھی ایجاد کیے جن کی علیحدہ شناخت اور منفرد خصوصیات تھیں،ان میں گچک (*Gichak*) اور صدتارا خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔کشمیری موسیقی کی اس انفرادیت کا اعتراف آئینِ اکبری میں بھی کیا گیا[۱۹]۔

موسیقی کی اس روایت نے جس پر تصوف کا رنگ غالب تھا، پورے خطے کو متاثر کیا۔آج بھی جب اس علاقے کی موسیقی کا کوئی تذکرہ مرتب کیا جاتا ہے یا کوئی البم ترتیب دیا جاتا ہے تو اسے کشمیر کی نمائندگی کے بغیر مکمل نہیں سمجھا جاتا، لیکن ایک بیرونی طاقت کے جبر اور قابض افواج کے ظلم وستم کے اثرات اس صنف لطیف پر مرتب ہوئے بغیر بھی نہیں رہ سکے۔ علی سیف الدین اس عہد کے ایک جوان سال گلوکار ہیں۔وہ اعتراف کرتے ہیں کہ کشمیر کی اصل موسیقی تو وہی ہے جس نے صدیوں کی گود میں پرورش پائی اور اپنے متصوفانہ رنگ سے ایک عالم کو متاثر کیا۔اس کے ساتھ ہی وہ کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے کہ اب وہ اس روایت پر قائم نہیں رہ سکتے کیوں کہ اس عہد میں مشکلات اور پابندیاں زیادہ اور آسانیاں کم ہیں۔ اگر میں ایک لڑکے کو گولی لگتے ہوئے دیکھوں گا یا اپنے کسی پیارے کے لاپتہ ہونے کی خبر سنوں گا تو اُسی کے بارے میں گاؤں گا۔علی سیف الدین کے ایک گانے کا بول ہے:

کیسا انصاف ہے، کیسے احکام ہیں

جو ظالم کے ہاتھ کو نہ دیں سزا[۲۰]

تو آج کشمیری تہذیب، معاشرت، ادب وثقافت اور فنونِ لطیفہ کی یہ بھری پُری روایت اس مقام پر آ ٹھہری ہے جس کے بعد جو لے اُٹھے گی، رنج والم میں ڈوب کر اُٹھے گی جو نالہ اٹھے گا، فریاد کناں ہوگا۔اقبالؒ نے فرمایا تھا ؎

تو گوئی کہ یزداں، بہشتِ بریں را

نہاد است در دامنِ کوہسارے

یعنی تم اس منظر کو دیکھو تو تمہاری زباں سے یہی نکلے گا کہ خداوند تعالیٰ نے اس پہاڑ کے دامن میں بہشت بریں کا کوئی ٹکڑا لا کر رکھ دیا ہے مگر آج کا کشمیر مختلف منظر پیش کرتا ہے۔بہشت بریں کے اس ٹکڑے کی دل آویز تہذیب، اس کی روایات اور رنگ وروپ، ظلم وستم کی اس تاریک رات میں تاریک تر ہوا جاتا ہے۔کاش! احترام آدمیت اور تہذیب انسانی کو اس کی بہترین شکل میں برقرار رکھنے کے خوش کن دعوے کرنے والی دنیا تک اہل کشمیر کی آواز بھی پہنچ سکے۔

کتابیات

1. Roy,Sunil, Chandra, Dr.,(1969),Delhi, Early History and Culture of Kashmir, Oriental Publishars, p 210, 2nd ed,
2. Ibid, p210,
3. Ibid, p217,

۴۔ جی ایم میر،(۲۰۱۱ء)، راول پنڈی، رائل پبلیشنگ کمپنی، ص ۲۷، اشاعت دوم،

4. G. M. D. Sufi, (1979), Delhi, Islamic Culture In Kashmir, Lile & Life

publishers, p209, ed 2nd,

5. B,N,K,Bamzai, (1994), Dehli, Culture and Political history of Kashmir, M.D, Publications, p535, Ed 1st,

6. Ibid, p 540,

7. Ghulam Nabi Khaial, http://urdusfhaat.blogspot.com/ p/blog-page_42. html?m=1 (March 6, 2019)

8. Ibid,

9. Ibid,

۱۰۔ بانی عمر،https://daleel.pk/2017/11/21/66887،(۶/مارچ۲۰۱۹ء)،

۱۱۔ نسترن اختر فتیحی،(۲۰۱۹ء)

https://www.deedbanmagazine.com/blog/nastaran-ahsan-fatihi،

(۶/مارچ۲۰۱۹ء)،

۱۲۔ ریاض مسرور،(۲۰۱۸ء)،https://www.bbc.com/urdu/regional-46541062،(۶/مارچ۲۰۱۹ء)،

۱۳۔ ریاض مسرور،(۲۰۱۸ء)،643https://www.bbc.com/urdu/regional-45017،(۶/مارچ۲۰۱۹ء)،

۱۴۔ ریاض مسرور،ایضاً،

15. G. M. D. Sufi, (1979), pp 227, 228.

۱۶۔ سوتک بسواس،(۲۰۱۸ء)،

16. ۔https://www.bbc.com/urdu/regional-40082413

۱۷۔ سہیل حلیم،(۲۰۱۸ء)

17.۔https://www.bbc.com/urdu/entertainment-37493124

۱۸۔ بی بی سی،(۲۰۱۸ء)،

https://www.bbc.com/urdu/regional/2016/05/160524_

kashmir_chinar_students_art_work_mb

19. G. M. D. Sufi, (1979),

20. Neha Sharma, (2017),https://www.bbc.com/news/av/world-asia-india-40116752/kashmir-how-conflict-changed-the-music.